پیامِ انسانیتؒ

مولانا ابوالحسن ندوی مدظلہٗ کی ایک تقریر

حضرت مولانا ابوالحسن ندوی دامت برکاتہٗ کی ایک تقریر پیش خدمت ہے۔ موصوف مدرسہ امدادیہ مرادآباد کی دعوت پر "پیامِ انسانیت" کے سلسلے میں مرادآباد تشریف لائے۔ انہوں نے انصاف کونسل مرادآباد کے زیر انتظام منعقدہ شدہ جلسہ میں ٹاؤن ہال میں یہ تقریر فرمائی۔ ہال سامعین سے کھچا کھچ بھرا تھا۔ سامعین میں بڑی تعداد غیر مسلم برادرانِ وطن کی تھی۔ شہر کے مدارس اسلامیہ کے اساتذہ و طلبہ، وکلاء، ڈاکٹرز، تجار بڑی تعداد میں شریک ہوئے۔ یہ تقریر ان دنوں ہوئی جب علی گڑھ میں فسادات ہو رہے تھے اور اطراف میں کشیدگی تھی۔

عتیق احمد قاسمی بستوی
استاد مدرسہ امدادیہ مرادآباد

نئے مہمانوں کی آمد دنیا میں انسانوں کی آمد کا سلسلہ ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں سال سے جاری ہے اور کوئی دن نہیں آتا کہ دنیا کی تاریخ میں نئے مہمان نہ آتے ہوں۔ آج کا دن صرف آج کا دن اور صرف ہمارا اور آپ کا یہ شہر مرادآباد جس میں ہم سب جمع ہیں۔ اگر آپ اس میں ٹوہ لگائیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ آپ کی آبادی میں آج بھی اضافہ ہوا ہے یہ شہنائیاں جو بج رہی ہیں (ایک قافلہ اس وقت شہنائیاں بجاتا سڑک سے گذر رہا تھا) یہ لوگ جو اپنی خوشی کا اظہار کر رہے ہیں، یہ سب علامتیں ہیں اس بات کی کہ دنیا کی رونق ابھی قائم ہے۔ دلوں میں امنگیں ہیں اور انسان اس دنیا میں ہنسی خوشی رہنا چاہتا ہے۔

جو بچہ بھی اس دنیا میں آتا ہے جو نیا مہمان بھی ہماری آپ کی اس محفل میں داخل ہوتا ہے وہ اس بات کا اعلان کرتا ہے کہ اس دنیا کا پیدا کرنے والا خدا (ہم اسے جس نام سے بھی یاد کریں) انسان سے ابھی روٹھا نہیں ہے انسان کے سے اس کا اعتماد اور بھروسہ ابھی اٹھا نہیں ہے۔ وہ انسان سے مایوس نہیں ہوا۔ اگر ایسا ہوتا تو خدا کے لئے کوئی مشکل نہیں ہے۔ وہی بھیجتا ہے وہی بھیجنا بند کر دیتا۔ ہم نے آپ نے جلسہ کیا ہے۔ ایک چھوٹی سی

کوشش ، جو آرہے ہیں ان کو آنے دے رہے ہیں۔ ہم ان کو آدمی سمجھتے ہیں، انہیں کے لئے ہم نے یہ محفل سجائی ہے ۔ آپ کا یہ ہال تنگ پڑ رہا ہے یہ اس بات کی علامت ہے کہ بلانے والے بھی خوش ہیں اور آنے والے بھی خوش ہیں آنے والے شوق سے آرہے ہیں اور بلانے والے ان کو جگہ دے رہے ہیں۔ اگر بس چلے تو آنکھوں میں جگہ دیں۔

خدا انسانوں کو دنیا میں مجبوری سے نہیں بھیج رہا ہے ۔ ہم نے مجبوری سے انہیں جگہ نہیں دی ہے۔ شوق سے جگہ دی ہے۔ شہر میں اعلان کیا۔ کارڈ تقسیم کئے۔ ہم نے خود بلایا ہے۔ یہ بن بلائے نہیں آئے جب یہ ہمارے بن بلائے نہیں آئے تو خدا کی مخلوق دنیا میں بن بلائے کیسے آسکتی ہے ؟

تو جو بچہ بھی اس دنیا میں پیدا ہوتا ہے وہ چاہے کسی براعظم میں پیدا ہو کسی کانٹینٹنٹ میں پیدا ہو۔ امریکہ میں پیدا ہو۔ ہندوستان میں پیدا ہو یا یورپ اور مشرقِ وسطیٰ میں پیدا ہو۔ یا مشرقِ بعید میں پیدا ہو۔ وہ اس بات کا اعلان کرتا ہے (اور ایسا صاف اعلان کرتا ہے ۔ ایسے پیارے طریقے پر اعلان کرتا ہے کہ ہر شخص سمجھ سکتا ہے) کہ ابھی اس سنسار کا پیدا کرنے والا انسانوں سے مایوس نہیں ہے۔ وہ ان کو بسانا چاہتا ہے وہ ان کی مدد کرتا ہے خود ہماری پیٹھ پر ہماری کمر پر اس کا ہاتھ ہے اگر اس کا ہاتھ نہ ہوتا تو کتنے پھول بے کھلے ختم ہو جاتے ۔ لیکن یہاں کا اتنا لمبا سفر کر کے جو مہمان یہاں آرہا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ خدا اس دنیا سے ابھی مایوس نہیں ہے ۔ اگر خدا اس دنیا سے ناراض ہو جاتے تو اس کو ابھی توڑ پھوڑ کے رکھ سکتا ہے ۔ کتنی لڑائیاں ہوئیں ۔ انسانوں نے بڑی کوشش کی اس دنیا کو تباہ کرنے کی یہ ہم اور آپ سب مانیں گے ۔

میں تاریخ کا ایک معمولی اسٹوڈنٹ ہوں ہم اور آپ سب جانتے ہیں کہ انسانوں نے اپنی بساط کے مطابق کئی مرتبہ کوشش کی کہ یہ دنیا باقی نہ رہے ۔ اور یہ جو دو عالمی جنگیں ہوئیں (ورلڈ وار فرسٹ اینڈ سیکنڈ) اس لڑائی کی آگ بھڑکانے والوں نے اپنی پوری ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا ۔ کہ یہ دنیا ختم ہو جاتے ۔

نوشتۂ دیوار اگر خدا کا ہاتھ اس دنیا کی پیٹھ پر نہ ہوتا ۔ انسانوں کے سر پر نہ ہوتا ۔ خدا کی حفاظت نہ ہوتی خدا ابھی اس دنیا سے خوش نہ ہوتا اور انسان اس کو پیارا نہ ہوتا ۔ تو یہ جو ہمارے جادوگر ہیں : یورپ و امریکہ کے جو ہماری قسمت کے مالک بنے ہوئے ہیں ۔ سمجھتے ہیں کہ ہم مالک ہیں ۔ یہ کب کا اس سنسار کو ختم کر چکے ہوتے ۔ مگر ان کی اتنی کوششوں ، منظم ایسی سائنٹیفک ایسے آرگنائز ایسی کوششوں کے باوجود جس کی پشت پر سائنس تھا ، ٹکنالوجی تھی اور اب ایٹامک انرجی بھی آگئی ہے ۔ اس کے باوجود یہ اس سنسار کو تباہ کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے آپ اسے نہیں سمجھ سکتے ؟ یہ دیوار کا نوشتہ ہے ۔ کہ خدا اس دنیا سے مایوس نہیں ہے ۔ ابھی خدا اس دنیا سے مایوس نہیں ہوا کہ یہ فرش جو بچھایا گیا ہے ۔ یہ شامیانہ جو لگایا ہے اسے تہہ کر کے رکھ دے ۔ ورنہ ایک منٹ نہیں سیکنڈ نہیں ۔ سیکنڈ کے بھی ہزارویں حصے میں اس دنیا کو ختم کر سکتا ہے ۔ ہم کو قرآن میں بتایا گیا ہے ۔ انما

جو خدا اس دشمنیاں ان یقینوں سے نیکوں کہ اس کے ارادے کی دیر ہوتی ہے اس نے ارادہ کیا اور کام ہوا۔ ارے بھائی ہم ٹیلیفون کرتے ہیں اٹھایا ریسیور، نمبر ملایا۔ فوراً بات ہوگئی تو خدا کو کیا دیر لگ سکتی ہے؟

کیا آپ خدا کا منشا نہیں سمجھتے؟ خدا کو ابھی دنیا باقی رکھنا ہے مگر ہمارا آپ کا طرز عمل کیا ثابت کرتا ہے؟ خدا یہ چاہتا ہے اس دنیا سے خوش ہو اور پیار کرے۔ مگر ہم اس دنیا سے خوش نہیں۔ خدا تو مہمان پر مہمان بھیجے اور جب مہمان آتا ہے تو اپنی روزی لے کر آتا ہے یہ تو ہماری نالائقی ہے کہ اس کو وقت پر کھانا نہ ملے۔ پیٹ بھر غذا نہ ملے یا خدا جو مہمان بھیجے گا اس کی روزی بھی بھیجے گا مگر ہم کیا ثابت کر رہے ہیں؟ ہم یہ ثابت کر رہے ہیں کہ انسان سے بڑھ کر کوئی چیز قابل نفرت نہیں ہے۔

لاؤ کیلا، جمشید پور، علی گڑھ جہاں جہاں فرقہ وارانہ فسادات ہوتے ہیں وہاں کے ان آدمیوں نے ان شریف آدمیوں نے کتنے سانپ بچھو مارے ہوں گے اگر اس کا کوئی دفتر ہوتا تو میں وہاں جا کر پوچھتا اس کے اعداد و شمار دیکھتا کہ بھائی ہر شخص بتائے کہ اس نے کتنے بچھو مارے۔ کتنے سانپ مارے۔ کتنے بھیڑیئے، چیتے اور شیر مارے؟ ان میں بعض لوگوں کی زندگی گذر جاتی ہے۔ اور موذی جانور مارنے کی توفیق نہیں ہوتی۔ مگر انسان۔ انسان کو کس طرح مارتے ہیں دیکھئے خدا اور انسان کے کام میں ایک ٹکراؤ اور تضاد ہے۔ خدا چاہتا ہے یہ دنیا پنپے، پھلے پھولے۔ سرسبز و شاداب ہو۔ بارونق ہو یہاں اس کی رحمت کی محبت کی ہوائیں چلیں۔ یہاں محبت کی اور پریم کی بانسری بجے۔ یہاں محبت کی خوشبو پھیلے وہ دیکھ کر خوش ہوتا ہے۔ میں خوش ہو رہا ہوں یہ تصویریں دیکھ کر کس طرح اپنا دل دکھاؤں کہ کتنا خوش ہو رہا ہوں تو خدا کیا جو اس دنیا کا باغبان ہے پالن ہار ہے انسان کو بنانے والا ہے خوش نہیں ہوتا؟ اپنی بنائی ہوئی چیز پر سب خوش ہوتے ہیں۔

نگاہوں کا جادو مراد آباد والوں کو اگر اپنے برتنوں پر ناز ہے تو خدا کو اپنی بنائی ہوئی چیز پر ناز نہیں ہوگا مراد آباد کا رہنے والا جب کہیں جاتا ہے تو کہتا ہے میں اس جگہ کا رہنے والا ہوں جہاں سے بہتر برتن کہیں نہیں بنتے ٹھیک ہے ٹھیک ہے ہم بھی مانتے ہیں ہمیں آپ کا یہ دعویٰ تسلیم ہے مگر کیا ہم اور آپ کو ناز کرنے کا حق ہے۔ برتن بنا لیا تو اس پر خوش۔ ایک مشین بنالی تو اس پر خوش۔ ایک کپڑا سی لیا تو اس پر خوش۔ اور خدا نے یہ گلدستہ بنایا۔ یہ چمن کھلایا انسان کو پیدا کیا جس کی وجہ سے ہر چیز میں قیمت پیدا ہوئی۔ اسے اپنی پیدا کی ہوئی چیز پر خوش ہونے کا حق نہیں؟

کہاں کا سونا۔ کہاں کی چاندی۔ کہاں کا مراد آباد کا برتن اور کہاں کا امریکہ کا کمپیوٹر۔ اور کہاں کی مشنری۔ سب ہماری اور آپ کی نگاہوں کا جادو ہے۔ ہم نے آپ نے سونے کو دیکھا قدر کی نگاہ سے سونا ہوگیا اگر ہم اور آپ آج کوئی انٹرنیشنل کنونشن کریں یا ہم کہیں طے کریں کہ ہمیں سونے سے کوئی مطلب نہیں۔ سونا ہمیں پسند نہیں تو سونا اور

مٹی برابر ہوجائے ۔سونا خود کوئی چیز نہیں ۔ نگاہوں کا کھیل ہے ۔آپ کی نگاہیں دھات پر پڑیں تو سونا بنا دیا ۔ آپ کی نگاہیں ٹوٹ جانے والے شیشے پر پڑیں تو وہ ایسا ہوا کہ اس کو دل کی طرح عزیز رکھنے لگے ، کوئی توڑ نہیں سکتا ۔ پھول اور کانٹے میں فرق کیا ہے ؟ آپ نے پھول کہا تو پھول ہو گیا ۔آپ نے کانٹا کہا تو کانٹا ہو گیا ، تو ہم اور آپ طے کر لیں کہ آج سے پھول کانٹا ہے اور کانٹا پھول ہے ۔ تو پھول کانٹا ہو جائے گا اور کانٹا پھول ہو جائے گا ۔ یہ سب ہماری اور آپ کی نگاہ کا کھیل ہے ۔ دل کی توجہ کا ۔ دل جدھر جھکا بس اسی چیز میں قیمت پیدا ہو گئی ۔

بازار میں بھاؤ کیوں بڑھتا ہے ۔آپ سب کاروباری آدمی ہیں ۔بھائی بھاؤ کیوں بڑھا ۔کل وہی چیز تھی آج وہی چیز ہے لیکن کل اس کے دام کچھ اور تھے ۔آج اس کے دام کچھ ہیں ۔کیا فرق ہوا ؟ کہاں سے فرق آیا ؟ صرف آپ کو خواہش زیادہ ہو گئی ۔آپ کو زیادہ چاہت ہو گئی ۔آپ اسے زیادہ خریدنے چلے گئے ۔ دام بڑھ گیا ۔ اگر آپ کہیں کہ کل سے ہم فلاں کپڑا نہیں خریدیں گے ۔ تو وہ کپڑا بے قیمت ہو جائے گا ۔ کپڑوں کے جو نئے نئے فیشن نکلتے ہیں ان کی حقیقت کیا ہے ؟ یہ فیشن پیرس سے نکلا ہے لندن سے نکلا ہے لوگوں نے پسند کیا اور فیشن بن گیا اور ساری دنیا میں پھیل گیا ۔ اور پھر اس کے بعد اس کو ایسا بھول جاتے ہیں کہ اگر کوئی اس فیشن میں نکلے تو اسے دیوانہ سمجھیں اور آؤٹ آف ڈیٹ سمجھیں ۔

اپٹوڈیٹ اور آؤٹ آف ڈیٹ کی حقیقت کیا ہے ؟ آپ ہیں سب کچھ ۔آپ نے کہا یہ چیز اچھی ہے زمانہ کے مطابق ہے وہ اپ ٹو ڈیٹ ہو گئی ۔ آپ نے کہا یہ پرانے زمانے کی چیز ہے ۔ ہمیں پسند نہیں تو آؤٹ آف ڈیٹ ہو گئی ۔

تو آپ ہی اس دنیا میں سب کچھ ہیں مگر آپ کا طرز عمل یہ بتاتا ہے کہ آپ خدا کی مرضی پر خوش نہیں ہیں ۔ خدا کچھ چاہتا ہے آپ کچھ چاہتے ہیں ۔ خدا بنانا چاہتا ہے آپ بگاڑنا چاہتے ہیں ۔ خدا سرسبز و شاداب رکھنا چاہتا ہے آرام پہنچانا چاہتا ہے ۔ آپ کہتے ہیں ہم آرام نہیں پہنچنے دیں گے ۔ یہ ہمارا طرز عمل ہے گویا ہمیں خدا سے لڑائی ہے ۔ معاف کریں ہمارے ہندو مسلمان بھائی ہم سب مذہبی لوگ ہیں ۔ ہم سب یقین کرتے ہیں مذہب کی حقیقتوں میں ۔ انہی کی سچائیوں میں ۔ لیکن ہم اپنے طرزِ عمل سے ثابت کرتے ہیں جیسے ہم کو خدا سے ضد ہو ۔ وہ دن کہے تو ہم رات کہیں وہ رات کہیں تو ہم دن کہیں ۔ وہ اچھا کہے تو ہم برا کہیں ۔ وہ برا کہے تو ہم اچھا کہیں ۔ وہ کہے کہ مل کر رہو ۔ محبت سے رہو ہم کہیں کہ ہمیں منظور نہیں ۔

خدا کی بردباری دیکھئے ایک دکان پر آپ چلے جائیے اور دو ایک برتنوں پر ہاتھ صاف کر دیجئے ۔ بے ترتیب کر دیجئے تو ڑنا پھوڑنا نہیں اس کا ذکر کیا ۔ بے قرینہ رکھ دیجئے ۔ تو دکان والا خود آپ کو کیسا دوست ہو کیسا شریف آدمی ہو وہ بگڑ جائے گا ۔ اور آستین چڑھائے گا ۔ کہ آپ کو کیا حق ہے ۔ ہماری دکان کا انتظام کرنے کا

آتے۔ خدا کی بُردباری دیکھئے کہ برابر انسانوں کو بھیج رہا ہے۔ برابر روزی دے رہا ہے۔ زمین غلّہ اگا رہی ہے۔ آسمان پانی برسا رہا ہے۔ کسی چیز میں کوئی ہڑتال کوئی اسٹرائک نہیں۔ کہ خدا نے وہ چیز روک دی ہو ہماری نالائقی سے۔ لیکن ہمارا کیا طرزِ عمل ہے؟ ہم خدا کو برابر غصہ دلانا چاہتے ہیں۔ شکر ہے اسی کی تعریف ہے کہ وہ بچوں کی طرح غصہ میں نہیں آتا۔ ورنہ اگر ہماری کرتوتوں سے وہ غصہ میں آجاتا تو کب سے یہ دنیا لپیٹ کر رکھ دی جاتی۔ لاکھوں برس لوگ کہتے ہیں اس کی عمر ہے۔ خدا ہی بہتر جانتا ہے۔ بہت سی چیزوں سے پتہ چلتا ہے لوگ حساب لگاتے ہیں۔ اس کا بھی پورا ایک فن ہے۔ ہم اس کو چیلنج نہیں کرتے۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ اس بات کی علامت ہے کہ خدا اتنے دنوں سے برداشت کر رہا ہے۔ خدا بھی اس دنیا سے مایوس نہیں ہے۔ خفا نہیں ہے اور ہم بات بات پر خفا ہوتے ہیں۔ ہمیں چاہیئے تھا کہ خدا کا ہمارے ساتھ جو اخلاق و معاملہ ہے۔ کم سے کم اپنے ساتھیوں کے ساتھ اپنے بھائیوں کے ساتھ وہ معاملہ کرتے۔

خدا تو ایسا کہ جو چاہو کر گذرو۔ اور وہ خفا نہیں ہوتا یعنی اس طرح سے ناراض نہیں ہوتا کہ دنیا کو تہہ کر کے رکھ دے الٹ کر رکھ دے کہ بس ختم۔ وہی زمین و آسمان۔ چاند سورج، بارش و ابر۔ وہی قانونِ قدرت لا آف نیچر برابر چلے آ رہے ہیں ہزاروں لاکھوں برس سے۔ مگر ہمیں کچھ تو سوچنا چاہیئے کہ آخر یہ کب تک ہوتا رہے گا؟

علم نے کیا فائدہ پہنچایا؟

آج دنیا میں علم کا کتنا ڈھنڈورا پیٹا جا رہا ہے۔ ڈنکا بجایا جا رہا ہے لیکن اس علم نے ہمیں فائدہ پہنچایا۔ کیا ہم کو آدمی بنا دیا؟ علم کا فائدہ تو ہم نے یہ اٹھایا کہ جو کام ہم بھدے طریقے پر کرتے تھے دیر میں کرتے اس کو ہم بہت سلیقے کے ساتھ ٹیکنیکل بہت اس کو رفائن امپروف طریقے پر اور بہت جلدی ہم اسے کر لیتے ہیں۔ یعنی پہلے ہلاکت بیل گاڑی پر بیٹھ کر بیل گاڑی کے راستے سے۔ بیل گاڑی کب پہنچے گی تو ہلاکت بھی دیر سے پہنچے گی۔ پھر وہ گھوڑے سے جانے لگی۔ پھر ریل گاڑی سے۔ پھر ہوائی جہاز سے جانے لگی اور اب ایٹمک انرجی اور اس کی جو سرعت ہے۔ اس کے زور سے جانے لگی۔ بتایئے کہ یہ انسانوں کے لئے اچھا ہوا؟ پہلے ہی غنیمت تھا کہ ایک بادشاہ ملک فتح کرنے چلتا تھا۔ گھوڑوں پر اونٹوں پر ہاتھیوں پر۔ اتنی دیر میں دوسرے لوگوں کو خبر ہوتی وہ تیاری کر لیتے تھے اب تو سائنس نے اتنی ترقی کر لی ہے کہ ایک منٹ کی بھی مہلت نہیں مل پاتی۔ ہیروشیما میں، ناگا ساکی میں کیا ہوا؟ کیا ان کو کچھ مہلت ملی؟ علم تو حاصل کر رہے ہیں لیکن یہ ایسا بن گیا ہے جیسے کہ کسی شرابی کے ہاتھ میں۔ بدمست کے ہاتھ میں تلوار آجائے۔ تیز دھار کی کوئی چیز آجائے۔ وہ تو شرابی بدمست ہے کسی کا گلا کاٹ دے گا۔ بھائی کا گلا کاٹ دے۔ بچہ کا گلا کاٹ دے۔ ایسے ہی آج بھائی بھائی کا گلا کاٹ رہا ہے۔

خطرہ مول لینا پڑتا ہے

میرے بھائی اور دوستو! ابھی خدا نے ہمیں مہلت دی ہے اور دیکھئے اب بھی آوازیں، سچائی میں خلوص میں سادگی میں اثر ہے۔ درد میں اثر ہے کہ اتنے آدمیوں کو یہ درد بلا سکتا ہے اور

میں جو ابھی تقریر سن رہا تھا اپنے ایک بھائی کی تو سوچ رہا تھا کہ ابھی یہ ٹرپنے والے سوچنے والے دل و دماغ ہمارے ملک میں بڑی تعداد میں موجود ہیں۔ لیکن قصہ یہ ہے کہ کوئی ہمت نہیں کرتا۔ جو فسادات ہوتے ہیں اس میں سب لوگوں کو ہسٹریا کا دورہ نہیں ہوتا۔ سب پاگل نہیں ہو جاتے۔ اگر ہوتا یہ ہے کہ چند بدمعاش۔ خدا سے نہ ڈرنے والے انسان کو کوئی چیز نہ سمجھنے والے میدان میں آجاتے ہیں اور ہر شریف آدمی اپنی خیریت منانے لگتا ہے۔ کہ ان غنڈوں اور بدمعاشوں کے کون منہ آئے ؟ ان کے کون سامنے آئے۔ اپنی عزت بھی خاک میں ملائے۔ شریف لوگ اپنے گھروں میں بیٹھ جاتے ہیں اور اپنی خیریت منانے لگتے ہیں۔ ورنہ کوئی شہر۔ کوئی گاؤں بھلے شریف آدمیوں سے خالی نہیں ہے۔ لیکن وہ ڈرتے ہیں ہچکچاتے ہیں۔ ان کا زور جادو چل جاتا ہے۔ جو بدمعاش ہیں خدا سے نہیں ڈرتے۔ شریف آدمی اپنے کونوں میں بیٹھ جاتے ہیں وہ کہتے ہیں بھائی ان رذیلوں، کمینوں، خونخواروں کے کون منہ آئے۔ کون ان کے سامنے آئے۔ لیکن اگر اس دنیا میں ایسا ہی ہوتا رہے تو یہ دنیا چل نہیں سکتی۔ اس میں تو خطرہ مول لینا پڑتا ہے۔

> فسادیوں کے اندر کا انسان سو گیا ہے۔ باہر کا حیوان جاگ گیا ہے۔ ان کے اندر کے انسان کو جگانا ہے

میری معلومات زیادہ تر مذہبی ہیں ہمارے پیغمبر صاحب نے ایک مثال دی۔ اس سے بہتر مثال مجھے اب تک نہیں ملی۔ میں اس لئے بھی اسے بیان کرتا ہوں کہ ایسی تصویر کھینچ دینے والی مثال مجھے نہیں ملی۔ آپ نے فرمایا ظلم و ستم، انارکی، بدنظمی، فتنہ و فساد یہ اگر دنیا میں آئے تو اس کو روکنا چاہیے ہمت کر کے چاہے اس میں کتنا نقصان ہو جائے۔ اگر نہیں روکو گے تو تم بھی نہیں بچو گے اس کی آپ نے مثال دی کہ ایک کشتی ہے۔ اس پر لوگ جا رہے ہیں ان کو کسی دوسرے ملک میں یا کسی دوسرے شہر میں جانا ہے۔ دریا کا سفر ہے۔ اس میں ایک اپر کلاس ہے ایک لور کلاس ہے ایک اوپر کا حصہ ہے جیسے کہ آج کل فرسٹ کلاس ہوتا ہے اور نیچے ڈیک ہوتا ہے کچھ مسافر ڈیک پر ہیں اور کچھ مسافر فرسٹ کلاس میں ہیں۔ پانی کا انتظام اتفاق سے اوپر ہی ہے۔ کشتی تو دریا میں چل رہی ہے۔ لیکن دریا سے پانی لینا ہر ایک کے بس کا کام نہیں۔ ڈول ہو رسی ہو۔ تو یہ نیچے والے پانی لینے اوپر جاتے ہیں۔ پانی کی فطرت یہ ہے کہ وہ گرتا ٹپکتا ہے۔ جب پانی لے کر آتے تو کشتی ہلنے والی، تھوڑا اس پر ٹپکا تھوڑا اس پر ٹپکا۔ صاحب لوگوں نے اپر کلاس والوں نے آستینیں چڑھا لیں کہ صاحب پانی کی ضرورت آپ کو، پانی کی غرض آپ کو اور ہم پریشان ہوتے ہیں۔ دیکھیے ہم نے کپڑا بچھا رکھا تھا۔ فرش بچھا رکھا تھا آپ نے اس کو بھگو دیا دیکھیے ہمارے اوپر چھینٹے پڑ گئے۔ ہم آپ کو پانی نہیں لے جانے دیں گے۔

انہوں نے کہا پانی کے بغیر کیسے رہا جا سکتا ہے ؟ انہوں نے کہا چاہے جو ہو ہم آپ کو پانی نہیں لے جانے دیں گے حضور اکرمؐ نے فرمایا کہ نیچے والوں نے سوچا کہ پانی تو ہم ضرور لیں گے پانی کے بغیر گذارہ نہیں۔ ایسا کرو کہ نیچے سوراخ

کر لو۔ اور وہیں سے اپنا ڈول، لوٹا ڈال کر پانی نکال لیا کرو۔ آپؐ نے فرمایا۔ کہ اگر ان لوگوں میں سمجھ ہے اور ان کو زندگی پیاری ہے کچھ ہوش گوش ہے تو یہ خوشامد کریں گے۔ ان کے پاس جائیں گے کہ تم پانی لینے آتے تھے اور ہم ناراض ہوتے تھے۔ ہم خود پانی پہنچا دیں گے۔ لیکن خدا کے لئے ہمارے اوپر رحم کھاؤ۔ کشتی میں سوراخ نہ کرو۔ اور اگر انہوں نے کہا کہ ہماری بلا سے۔ ارے بھائی سوراخ تو نیچے ہو رہا ہے۔ اوپر تو نہیں ہو رہا ہے۔ ہم تو اوپر رہتے ہیں۔ ہم تو بالانشین ہیں۔ (معاف کیجئے بالا نشین ایک خاص لفظ ہے ہماری اردو زبان میں) ہم تو اپر کلاس کے لوگ ہیں۔ اور یہ لور کلاس کے ذلیل لوگ ہیں۔ سوراخ کر رہے ہیں تو نیچے سوراخ ہیں۔ ہم تو آرام سے رہیں گے۔ آپ نے فرمایا جب سوراخ ہو گا تو نہ لور کلاس والے بچیں گے اور نہ اپر کلاس والے بچیں گے۔ کشتی ڈوبے گی تو سب کو لے کر ڈوبے گی۔

آج ہماری سوسائٹی میں صرف ہندوستان کو نہیں کہتا۔ ہمارا یہ موجودہ بیسویں صدی کا سماج ایسی ہی کشتی بن گیا ہے۔ کہ اس میں اپر کلاس والے بھی ہیں اور لور کلاس والے بھی ہیں۔ اپر کلاس والوں کی پیشانی پر بل آتے ہیں اور یہ بات بات پر اپنا امتیاز ثابت کرتے ہیں اور یہ احساس برتری میں مبتلا ہیں۔ نیچے والے کہتے ہیں (نیچے اوپر کا فرق یوں سمجھئے کہ جس کو ضرورت پڑتی ہے اس کو آپ لور کلاس سمجھ لیجئے اور جسے ضرورت نہیں پڑتی اسے اپر کلاس) کہ ہمیں کام سے کام ہے ہم کچھ نہیں دیکھتے ہمارا کام تو نکلنا چاہئے۔ کرپشن ہے۔ ذخیرہ اندوزی ہے۔ بلیک مارکٹنگ ہے۔ بے ایمانی ہے۔ کام چوری ہے۔ جن باتوں کو ہمارے ٹنڈن صاحب نے کہا یا اس کو روئے۔ سچی بات یہ ہے کہ رونے کی چیزیں ہیں۔ مزدور کام نہیں کرتا۔ مزدوری زیادہ لینا چاہتا ہے اور جو مالک ہے مل اور کارخانے کا۔ وہ چاہتا ہے کہ یہ کام تو کرے پورا سولہ آنے۔ اور اگر کوئی ایسا قانون ہو کہ ایک آنہ ہم دے سکیں تو ایک ہی آنہ دیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ ہر ایک کام نکالنا چاہتا ہے سب لوگ ان ڈائرکٹ طریقے پر سوراخ کر کے پانی بھر رہے ہیں۔ پوچھنا پاچھنا کچھ نہیں اپنا کام ہے اللہ نے ہم کو ہاتھ دئے ہیں پاؤں دئے ہیں سمجھ دی ہے جو کچھ ہماری سمجھ میں آئے گا کریں گے۔ اب سماج میں جو لوگ سمجھدار ہیں دانشور ہیں۔ اسکالر ہیں۔ محب وطن اور ملک کو چاہنے والے ہیں۔ اگر انہوں نے کہا، ہماری بلا سے یہ جائیں۔ ہم آنکھیں بند کرتے ہیں یہ چاہیں مریں یا چاہے جئیں تو نتیجہ کیا ہوگا۔

کشتی میں پانی بھرے گا۔ کشتی ڈوبے گی۔ اور بھائی جب کشتی ڈوبے گی تو امتیاز نہیں کرے گی۔ آگ جب کسی گاؤں میں لگتی ہے تو وہ امتیاز نہیں کرتی کہ یہ مسلمان کا گھر ہے یہ ہندو کا گھر ہے۔ یہ شریف آدمی کا گھر۔ یہ خان صاحب کا گھر۔ یہ شیخ صاحب کا گھر۔ یہ پنڈت جی کا گھر۔ یہ فلاں کا گھر۔ کچھ نہیں۔ آگ تو اندھی بہری ہوتی ہے جب لگتی ہے تو سب جلا کر خاک سیاہ کر دیتی ہے۔ سیلاب آتا ہے تو وہ امیر غریب اونچے نیچے میں کوئی فرق نہیں کرتا۔

ہمارا سماج ڈانواں ڈول میں آپ سے یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ آج ہماری کشتی۔ سماج کی کشتی ڈانواں ڈول ہو رہی ہے۔ اور اس میں بہت سے مسافر ایسے ہیں جو اس میں سوراخ کئے ہوتے ہیں۔ کرنے کا ارادہ نہیں کئے ہوئے

ہیں اور سوراخ سے اپنا ڈول ڈال کر پانی بھر رہے ہیں۔ دفتروں میں کیا ہو رہا ہے؟ اسٹیشنوں پر کیا ہو رہا ہے؟ اور ہمارے محلوں میں کیا ہو رہا ہے؟ آدمی کو بس اپنے کام سے مطلب ہے اور کسی چیز سے مطلب نہیں۔ ہمارا الو سیدھا ہونا چاہئے۔ ہماری زبان کا بہت چھوہڑ سا محاورہ ہے کہ ہمارا الو سیدھا ہونا چاہئے۔ باقی ہم کو مطلب نہیں کہ کس پر کیا گزرتی ہے۔ اس فلسفہ پر سب کا عقیدہ ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ سارا ملک اپنا فائدہ دیکھ رہا ہے۔

وہی بات ہوئی کہ ایک بادشاہ تھا۔ اس نے ایک تالاب بنایا اور اعلان کیا کہ ہمیں دودھ کا حوض چاہئے۔ سب لوگ اس میں دودھ ڈالیں۔ ایک ایک بالٹی دودھ لائیں اور ہم سے پیسے لے لیں۔ ہر شخص نے یہ سوچا۔ میں نے سوچا آپ نے سوچا کہ ارے بھائی سب لوگ تو دودھ کی بالٹیاں لائیں گے۔ ایک میں نے اگر پانی کی بالٹی ڈال دی تو کیا پتہ چلے گا۔ کون اس کو کیمیاوی طریقہ پر دیکھے گا کہ اس میں کتنی دودھ کی بالٹیوں میں کتنی پانی کی بالٹیاں ہیں اور کون لایا تھا۔ ایک شخص چلاؤ پانی کی بالٹی لے چلا۔ اور اس نے پانی کی بالٹی ڈال دی ہر ایک نے ایسا ہی کیا۔ ہر آدمی نے اسی ذہن سے سوچا اور اتفاق سے دودھ کی بالٹی والوں نے بھی یہی سوچا۔ کہ پانی کی بالٹی ڈالیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ صبح بادشاہ سلامت آئے خوش وخرم کہ حوض لبالب سفید دودھ سے بھرا ہوگا اور ہم اس پر فخر کریں گے۔ کہ ہم نے دودھ سے حوض بھر دیا۔ دیکھا کہ وہاں تو پانی بھرا ہوا ہے۔ ارے یہ کیا غضب ہوا۔ معلوم ہوا کہ پورے شہر نے ایک ہی دماغ سے سوچا۔

آج مشکل یہ ہے کہ ہر شخص کا دماغ ایک طرح کا ہو رہا ہے۔ کچھ لوگوں کا استثناً تو آپ کو کرنا ہوگا۔ خدا نے پانچ انگلیاں برابر نہیں کیں۔ لیکن پانی کی بالٹی والا اسٹینڈرڈ بڑھ رہا ہے۔ اور یہ خیال کہ ہمیں پیسے لینے ہیں ہمیں خدا سے شرم آنی چاہئے اور کوئی بات ایمانداری کے خلاف نہیں کرنی چاہئے۔ یہ چیز سکڑتی اور سمٹتی چلی جارہی ہے۔ ہم یقین کرتے ہیں فوری فائدے میں۔

ہماری سوسائٹی کی بیماری یہ ہے کہ ہر ایک اپنی مٹھی فوراً گرم کرنا چاہتا ہے۔ بھائی ایک دو، دو چار ہزار کی مٹھی گرم ہونے سے کچھ نہیں ہوتا۔ اس سوسائٹی کا کیا ہوگا۔ جس میں مٹھی تو گرم ہوگئی لیکن سوسائٹی بجھتی جارہی ہے ٹھنڈی پڑتی چلی جارہی ہے۔ آج ہمارا عقیدہ جمتا چلا جارہا ہے کہ جس سے چار پیسے ملیں وہ چیز عقلمندی کی ہے۔ ہرگز وہ عقلمندی کی نہیں ہے۔ اس لئے کہ ہم نے چار پیسے لئے اور اپنی خواہش اور من کی بات جب پوری ہوتی ہے جب کوئی پہلے اپنا من دباتے۔ پہلے من دبائیے۔ من ماریئے پھر آپ کا من خوش ہوگا۔ آپ کے من کو آسودگی اور اطمینان حاصل ہوگا۔ لیکن سب جلد سے جلد اگر من خوش کرنا چاہیں تو پھر کسی کا من خوش نہیں ہوگا پھر آپ دیکھئے گا۔ کہ یہ سوسائٹی یہ دنیا وبال بن جائے گی اور لوگ پناہ مانگیں گے۔ اور کہیں گے خدا موت دے۔

ہم تو اس جینے کے ہاتھوں مر چلے۔ ایسے سماج میں موت کی خواہش ہوتی ہے اور آج اگر آپ لوگوں کو تلاش کریں گے تو کتنے بھائی آپ کو ایسے ملیں گے جو مرنا پسند کرتے ہیں۔ اس جینے سے تو مرنا اچھا۔ ہم نے شاعروں کا کلام پڑھا ہے

ادیبوں کی تحریریں دیکھی ہیں کہ جب یہ بلا - یہ لالچ کی بلا - یہ پیسے کی محبت بڑھ گئی - سب نے اپنی مٹھی گرم کرنی چاہی سب نے اپنے دل کو خوش کرنا چاہا پھر نتیجہ یہ ہوا کہ جس طرح مچھلی کو پانی سے نکال کر آپ باہر ڈال دیجئے اس کا دم گھٹنے لگتا ہے - اسی طرح پوری سوسائٹی کا دم گھٹنے لگا - پوری سوسائٹی ایسی ہو رہی ہے کہ جو پاک ہے، قانون پر چلنے والا ہے اس کا گذر نہیں - اور جو قانون کو پاؤں کے نیچے مسل دینے والا ہے اس کی جیت ہے اس کا بول بالا ہے - نتیجہ یہ ہے کہ جو لوگ اس راستہ پر چلنا چاہتے ہیں وہ بھی تھوڑے دنوں کے بعد وہ راستہ چھوڑ دینا چاہتے ہیں -

ہمارے پاس بہت سے لوگ آتے ہیں مولوی سمجھ کر اور کوئی مشورہ کے لئے اور کہیں کتنے آدمیوں نے بتایا کہ ہم رشوت نہیں لیتے - ہم سے بُرا کوئی محکمہ نہیں ہے - یعنی رشوت لینے والے کو جس نظر سے دیکھنا چاہئے تھا آج رشوت نہ لینے کو اس نظر سے دیکھا جا رہا ہے - ارے اس کو نکالو یہ ایک غلط مچھلی ہے جو ہمارے یہاں آئی ہے اس کو نکالو - ارے بھائی ہم تمہارا کیا بگاڑتے ہیں ؟ نہیں صاحب ایک آدمی بھی ہم کو گوارا نہیں - اس لئے کہ ہمارا ضمیر کسی وقت تو ہم کو ملامت کرتا ہے - چٹکیاں لیتا ہے کہ ایک یہ آدمی ہے جو رشوت نہیں لیتا - ہم یہ بھی برداشت نہیں کرنا چاہتے ایک فرد بھی ایسا نہ رہے جسے دیکھ کے ہمیں شرم آئے

سوسائٹی کے زوال کا یہ آخری نقطہ ہے کہ سوسائٹی ایسی ہو جائے جس میں نیکی کی قانون پر چلنے کی گنجائش نہ رہے - اور جو قانون پر چلنا چاہے انسان کو انسان سمجھے اور ڈرے اس کا دم گھٹنے لگے -

میرے بھائیو ہم اور آپ ایک کشتی کے سوار ہیں ایک نیّا کے مسافر ہیں اور ہماری نیّا میں بہت بڑا سوراخ کرنے کا ارادہ کیا ہے - ہمارے ہی سماج کے بہت سے لوگوں نے - چھوٹے سوراخ تو بہت سے ہیں اور بہت دنوں سے ہیں - پانی تھوڑا تھوڑا آ رہا ہے لیکن یہ کشتی چونکہ بہت بڑی ہے اور بڑی کشتی دیر سے ڈوبتی ہے چھوٹی ناؤ ہو تو فوراً ڈوب جاتی ہے - ہمارے دیش کی کشتی ذرا بڑی ہے اس لئے ابھی آپ کو نظر نہیں آ رہا ہے - کہ اس میں کتنا پانی آ گیا - ایک جگہ آیا ہے - دوسری جگہ نہیں آیا - کئی منزلیں ہیں اور بہت بڑی بڑی اس کا کوئی اور چھور نہیں - یہ ۶۵ کروڑ آبادی کا ملک ہے اور بہت بڑا ملک ہے - کہتے ہیں ہاتھی کو مرتے مرتے دیر لگتی ہے ایک چڑیا ہے اس کو آپ انگلی میں پکڑیے اور مسل ڈالئے اس کا گلا گھونٹ دیجئے لیکن ہاتھی تو دیر میں مرے گا موت کو وہاں تک پہنچتے پہنچتے کچھ راستہ تو طے کرنا پڑے گا ؛

تو یہ ہمارا ملک بہت بڑا ملک ہے - اور خدا کا شکر ہے کہ بڑا ملک ہے - ہم کو آپ کو اس کی قدر نہیں ہے میرے ایک دوست ہیں حیدرآباد کے، وہ پیرس میں رہتے ہیں - وہاں بہت بڑے مصنف اور عالم مانے جاتے ہیں جینوا میں ایک کانفرنس تھی اس میں ہم دونوں شریک ہوتے - ہم لوگ وہاں کے ہوائی اڈے پر سیر کرنے لگے - میرے پاس انٹرنیشنل پاسپورٹ تھا اور ہر جگہ جا سکتا تھا - جرمنی کا بھی ہمارے پاس ویزا تھا اور فرانس کا بھی - میرے دوست

یک بیک رک گئے اور کہنے لگے کہ اگر میں یہاں قدم رکھ دوں (ایرپورٹ ہی کا ایک حصہ تھا) تو میں جرمنی پہنچ جاؤں گا اور پھر اس کے بعد بغیر ویزا کے نہیں آسکوں گا۔ تو یورپ میں ایسے چھوٹے چھوٹے ملک ہیں کہ اگر آپ تیز موٹر چلائیں تو باؤنڈری کراس کر جائیں اور دوسرے ملک میں پہنچ جائیں۔ یہاں یہ حال ہے کہ تین راتیں تین دن چلیے۔ کیرالہ جائیے کالی کٹ جائیے ختم ہی نہیں ہوتا۔ بھائیو! یہ خوشی کی بات ہے مگر یہ بات بڑی ذمہ داری کی بھی ہے اس ملک کو سنبھالیے۔ اب اس ملک میں اس بات کی زیادہ گنجائش نہیں ہے کہ جو لوگ سوراخ کر چکے ہیں یا سوراخ کرنے پر کمربستہ ہیں ہم ان کو ڈھیل دیں چھوٹ دیں کہ یہ جائیں ان کا کام جانے۔

"تمہاری داستاں تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں"

اب تو ہم کو اور آپ کو مل کر اس کشتی کو سنبھالنا ہے اور اس دیش کی خبر لینی ہے۔ ورنہ پھر بھائی "تمہاری داستاں تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں" ظلم کے بعد کوئی ملک پنپ نہیں سکتا جو کسی نے کہا تھا ؎

ظلم کی ٹہنی کبھی پھلتی نہیں
ناؤ کاغذ کی کبھی چلتی نہیں

ہم نے بچپن میں یہ سبق پڑھا تھا اور آج بڑے بڑے منتریوں کو، بڑے بڑے پروفیسرز اور لیڈرز کو پھر آج سنانے کی ضرورت ہے کہ "ظلم کی ٹہنی کبھی پھلتی نہیں"

ہم نے دیکھا کہ کتنی حکومتیں یہاں آئیں اور چلی گئیں۔ انگریز جانے والے تھے۔ انگریز کوئی معمولی لوگ تھے؟ معمولی حکومت تھی؟ جس کی حکومت میں سورج غروب نہیں ہوتا تھا لیکن انہوں نے ظلم کیا تھا۔ یہی آپ کا شہر مراد آباد ہے کہتے ہیں سینکڑوں آدمیوں کو پھانسی پر چڑھا دیا تھا۔ اور پھر ایسا بوریا بستر ان کا بندھا جیسے کہتے ہیں کہ گدھے کے سر سے سینگ غائب۔

بھائی! کوئی مذہب ہو کوئی پارٹی ہو۔ کوئی فرقہ ہو۔ کوئی سماج ہو ظلم کو خدا برداشت نہیں کرتا۔ اگر آپ یہ سمجھتے ہیں۔ کوئی فرقہ، کوئی طبقہ۔ کوئی کلاس یہ سمجھتا ہے کہ ہم ظلم کر کے، بے گناہوں کا خون کر کے اور بچوں کو دیواروں پہ پٹک کر کے اور بھٹی میں ڈال ڈال کر ہم اپنا سکہ بٹھا لیں گے۔ ہم اپنے لئے اس ملک کا پرچہ لکھوا لیں گے تو وہ بھول میں ہے اس کو اپنی بھول سے نکلنا چاہئے۔ خدا اس طرح کرنے تو دیتا ہے لیکن کرنے کے بعد پنپنے نہیں دیتا۔ یہ جینے کے لچھن نہیں ہیں۔ یہ جینے کا طریقہ نہیں ہے جو ہم ہندوستان میں کر رہے ہیں کہ اچھے خاصے لوگ بیٹھے ہیں۔ ارے بھائی انسان کے معنی تو یہ ہیں کہ انسان، انسان کو دیکھ کر خوش ہوتا ہے۔ بچھو اور سانپ بھی مل جاتے ہیں۔ بھیڑیے بھی ساتھ چلتے چلتے ہیں لیکن یہ کس طرح کے انسان ہیں کہ یہ انسان کو برداشت نہیں کر سکتا۔ کیا دورہ اس پر پڑتا ہے؟

میں اپنی کہی ہوئی بات کہتا ہوں جو لوگ پڑھ چکے ہیں اور دیکھ چکے ہیں وہ معاف کریں۔ میں سیوان میں تقریر

کر رہا تھا اور ہمارے ملک کے بہت بڑے ہسٹورین پروفیسر مصر اس کی صدارت کر رہے تھے۔ جو بہار یونیورسٹی کے وائس چانسلر ہیں۔ میں نے کہا: میں اس کو تو مانتا ہوں کہ ایک بے عقل چیز جس میں ضمیر نہیں ہے وہ کسی پر گر جائے بجلی گر جاتی ہے۔ دیوار گر جاتی ہے۔ چھت گر جاتی ہے۔ میں امریکہ میں تھا۔ نیویارک کے پاور ہاؤس پر بجلی گری اور فوراً وہاں اندھیرا ہو گیا۔ اور ایک تہلکہ مچ گیا۔ چوری کرنے والے اور جرائم پیشہ نکل آئے۔ ان کی بن آئی۔ مگر سب نے معاف کر دیا۔ کہ بھائی بجلی کا کیا۔ بجلی کو کون سمجھاتے؟ بجلی کس کے اختیار میں؟ لیکن میں نے کہا۔ یہ پڑھا لکھا آدمی پڑھے لکھے آدمی پر کس طرح گر جاتا ہے؟ یہ اچھا خاصا اسکالر، اسکالر پر گر جاتا ہے؟ پروفیسر پر پروفیسر گر جاتا ہے اسٹوڈنٹ، اسٹوڈنٹ پر کیسے گر جاتا ہے؟ روز اخبار پڑھتے ہیں۔ پڑھے لکھے آدمی ہیں۔ کتابیں پڑھتے ہیں اور کسی وقت ہسٹریا کا ایسا دورہ پڑ جاتا ہے کہ سب بھول جاتے ہیں۔ بچوں کو مارنے لگتے ہیں۔ عورتوں پر بے گناہوں پر ہاتھ اٹھاتے ہیں۔

کوئی مسافر بے چارہ کہیں سے آیا۔ آپ کے مراد آباد کے اسٹیشن سے کہیں نکلا تھا۔ کچھ نہیں دیکھنا کہ یہ کون ہے؟ اپنی ماں کی خبر لینے جا رہا ہے یا اپنی بیوی کے منہ میں کچھ رکھنے کہ بیچاری بھوکی ہے۔ بمبئی سے کما کر آرہا ہے اور اس نے اپنا پسینہ بلکہ خون بہا کر کچھ پیسے جمع کئے۔ خنجر نکالا اور گھونپ دیا۔ چھرا نکالا اور چھرے زنی کی واردات کر دی۔

ارے تو نے کس کو مارا؟ خدا کے بندے ذرا دیکھ۔ تو نے کس مارا؟ اس کو مارا جس کو ماں نے دودھ پلا پلا کر چھاتی سے لگا لگا کر راتوں کو نیند حرام کر کے پالا تھا۔ اور خدا نے جہاں میں اس کی روزی بھیجی تھی۔ کتنے دور سے اس کی روزی بھیجی تھی۔ بیمار ہوا تو کیسے کیسے اس کے علاج ہوئے تھے؟ کس کس طرح سے پڑھایا گیا؟ اور جب یہ جوان ہوا۔ کھانے کمانے کے قابل ہوا۔ تو نے اے ظالم، اے دشمن۔ اے خدا اور انسان کے دشمن۔ اے اندھے انسان تو نے کس کے چھرا گھونپا؟ اگر تجھے معلوم ہو جائے تو ہزار بار مرنا تو گوارا کرے اور کبھی نہ مارے۔ اس کے مرنے سے کیا اثر ہو گا۔ جب اس کے گھر خبر پہنچے گی، لاش پہنچے گی تو کیا ہو گا؟ تو خدا کو منہ دکھانے کے قابل ہے۔ ظلم اندھا اور بہرہ ہوتا ہے چھرا نکالا اور کسی کو گھونپ دیا۔ میں ہندو مسلمان کسی کو نہیں کہتا۔ اس چھرا مارنے والے کو نہ میں مسلمان سمجھتا ہوں نہ ہندو۔ میں اسلام کی بھی توہین سمجھتا ہوں۔ ہندو مذہب کی بھی توہین سمجھتا ہوں۔ ہزار بار ان کا مذہب ان سے بیزار ہے۔ اور وہ ہزار بار اپنے مذہب کی کتاب اپنے سر پر رکھ کر قسم کھائیں۔ کہ ہم مسلمان ہیں۔ ہندو ہیں۔ تو خدا کی لعنتیں برستی ہیں ان کے اوپر۔ خدا بیزار ہے ایسے لوگوں سے۔ مذہب؟ مذہب یہ تربیت دیتا ہے؟ یہ سمجھاتا ہے۔ قصور کرے کوئی مارا جائے کوئی۔

ہزار چیتوں سے زیادہ خونخوار | وہ بے چارا ابھی اسٹیشن سے باہر ہی آیا تھا۔ کیسے کیسے ارمان لے کر آیا تھا۔ گھر جاؤں گا۔ ماں کی باچھیں کھل جائیں گی۔ ماں آگے بڑھے گی۔ کہ میرا لال آگیا۔ بیوی خوش ہو جائے گی اس کا چہرہ دمکنے

لگے گا۔ بچے آ کر پاؤں سے لپٹ جائیں گے۔ میں بمبئی سے تحفے لے کر آیا ہوں۔ میں کس کے لئے روپے لے کر آیا ہوں۔ کس کے لئے کُرتا لایا ہوں۔ کس کے لئے جوتا لایا ہوں۔ کس کے لئے مٹھائی لایا ہوں۔ یہ سارے ارمان اس کے دل میں رہے اور اس ظالم نے، اس قاتل نے، اس خونخوار نے، ہزار چیتوں سے زیادہ خونخوار، ہزار بچھوؤں اور سانپوں سے زیادہ لعنتی۔ اس نے نہ آؤ دیکھا نہ تاؤ۔ نہ یہ دیکھا کہ کہاں سے آیا ہے۔ کتنی دور سے آیا ہے۔ کیسے کیسے سہانے خواب دیکھتے ہوئے آیا ہے اور چھرا گھونپ دیا۔ دنیا میں کونسا مذہب ہے جو اس کو سینے سے لگائے اور پیار کرے۔ جوتوں سے مارے جانے کے قابل ہے۔ جوتوں کی توہین ہے۔ جوتوں کے تلووں کی توہین ہے۔ پاک ہاتھ اس پر پڑ کر ناپاک ہو جائے گا۔

میرے بھائیو! یہ پیٹنے کی باتیں ہیں؟ یہ خدا کے پیار و محبت کو کھینچنے والی باتیں ہیں۔ یہ دنیا میں ترقی کرنے والی اور ملک کو نیک نام کرنے والی باتیں ہیں۔ جب ہم باہر جاتے ہیں تو ہمارا سر جھک جاتا ہے۔ میں دوسرے ممالک میں جاتا ہوں لوگ پوچھتے ہیں کہ بھائی تمہارے ملک میں روز فساد ہوتا ہے۔ روز ایک قصہ ہوتا ہے۔ ہنگامہ ہوتا ہے۔ کیا جواب ہے اس کا سوائے اس کے کہ سر جھکا لوں۔ اور کہوں کہ بھائی جہالت کا کرشمہ ہے۔ جب تہذیب آئے گی۔ علم آئے گا۔ خدا کا خوف ہوگا تو یہ سب نہیں ہوگا۔ کب ہوگا وہ؟ اس سے پہلے تو قیامت آجائے گی اتنے دنوں سے تو ہم دیکھ رہے ہیں کچھ نہیں ہوا۔ کیسے کیسے تمہارے یہاں ریفارمر پیدا ہوئے۔ گاندھی جی نے کیا تعلیم دی؟ اور اسی شہر کے رہنے والے محمد علی۔ شوکت علی نے کس طرح ہندو مسلم ایکتا کا نعرہ لگایا۔ سارے ملک میں ایک نشہ سا چھا گیا۔ میں نے دیکھا ہے اور ممکن ہے ٹنڈن جی اور ان حضرات نے بھی دیکھا ہو۔ میں دس گیارہ سال کا تھا۔ خدا کی شان ہے۔ اگر کہیں ہندوستان ویسے رہ جاتا تو کیا ہوتا۔ یعنی دل سے دل ملے ہوئے تھے۔ ہندو مسلم اس طرح گلے ملتے تھے۔ لپٹتے اور چمٹتے تھے۔ معلوم ہوتا تھا سگے بھائی ہیں۔ کیسا اچھا زمانہ تھا۔ لیکن انگریز کی چال چل گئی۔ لارڈ ہارڈنگ نے یہاں ایک کھیل کھیلا۔ اس نے لڑا کے دکھا دیا۔ اور پھر اس کے بعد آج تک وہ منظر نہیں آیا۔ کہیں کہیں ہم نے اس منظر کی جھلک دیکھی ہے اور اس کی جھلک یہاں بھی نظر آتی ہے کہ آج آپ لوگ بلا تفریق مذہب و ملت اتنی تعداد میں جمع ہوئے ہیں ایک ایسے شخص کی بات سننے کے لئے جس کو آپ جانتے نہیں پہچانتے نہیں اور اس کی شخصیت کچھ نہیں۔ مایوس ہونے کی کوئی بات نہیں۔

یہ لمبی نیند ہے

خدا کا شکر ہے کہ ہمارا ملک سویا ہے مرا نہیں۔ سویا ہوا جگایا جا سکتا ہے لیکن مرا ہوا جلایا نہیں جا سکتا۔ ہم سوئے ہیں مرے نہیں۔ خدا کا شکر ہے۔ رب کا شکر ہے۔ پیدا کرنے والے کا شکر ہے ہم کئی سوئے کئی بار جاگے۔ یہ انسانیت کئی بار سوئی کئی بار جاگی۔ اور جاگی تو ایسی جاگی کہ اپنے سونے کی سب تلافی کر دی۔ ہمیں امید ہے کہ ہمارا ملک جب جاگے گا تو اس سونے میں جو جو حرکتیں ہوئیں۔ وہ جو سوتے ہوئے اس کا ہاتھ کسی پر پڑ گیا تھا کسی کو تکلیف ہوئی تھی۔ سب کی معافی مانگ لے گا۔ یہ سونے والا جب جاگے گا تو سب کی معافی مانگے گا۔ سب سے

پاؤں پکڑے گا کہ سونے میں اگر کوئی بات ہوئی ہو تو ہمیں معاف کیجئے۔ ہمیں خبر نہ تھی۔ یہ سب ایک لمبی نیند ہے جس کو آپ دیکھ رہے ہیں۔

میں ان فسادیوں کو سویا ہوا انسان سمجھتا ہوں۔ ان کو راکشش نہیں سمجھتا۔ ان کے اندر کا انسان سو گیا ہے اور ان کے باہر کا حیوان جاگ گیا ہے اور چاہئے کہ یہ ان کے باہر کا حیوان سو جائے اور ان کے اندر کا انسان جاگ جائے۔

ہمیں اپنے متعلق کوئی غلط فہمی نہیں۔ اپنے متعلق ہمیں کوئی دھوکا نہیں۔ کہ ہم دنیا میں کوئی بڑا انقلاب لے آئیں گے ہمیں اپنی حقیقت خوب معلوم ہے مگر کیا کریں بیٹھا نہیں جاتا ہم اخبار ہی دیکھنے کے لئے زندہ رہ گئے ؟ ہم فسادات کی خبریں ہی سننے کے لئے زندہ رہ گئے ہم انسانیت کی تذلیل دیکھنے کے لئے ہی زندہ رہ گئے۔ ہم سے زیادہ بدقسمت کون ہے ؟ ارے بھائی بجائے اس کے کہ ہم اخبار میں پڑھیں ہم سے جو کچھ ہو سکتا ہے ہم وہ کریں۔

میں نے ۵۱-۵۲ء سے یہ کام شروع کیا تھا جب میں ہندوستان کے باہر سے آیا اور یہاں دیکھا تو مجھ سے رہا نہیں گیا۔ میں نے اس وقت پکار لگائی میرے جو مضامین ہیں "مانوتا کا سندیش" وغیرہ اسی زمانہ کے ہیں۔ مگر اس کے بعد میں دوسرے کاموں میں لگ گیا۔

خدا مجھے معاف کرے۔ میرا مالک مجھے معاف کرے۔ مجھے اس کام کو سب پر مقدم رکھنا چاہئے تھا۔

بس میں اپنی بات ختم کرتا ہوں۔ میں نے آپ کا بہت وقت لیا۔ لیکن میں سمجھتا ہوں کہ میں نے یہاں جو بات کہی وہ خدا لگتی بھی کہی اور آپ کی اپنی کہانی سنائی آپ کو۔

تفسیر کشف الرحمان

برصغیر کی مقبول عام اور معرکۃ الآراء تفسیر کشف الرحمان از مولانا احمد سعید دہلویؒ کے دوسرے ایڈیشن کی پہلی جلد طبع ہو گئی ہے۔ دوسری زیرِ طبع ہے جو کہ ہم فی سبیل اللہ تقسیم کریں گے جو اصحاب استطاعت نہیں رکھتے وہ صرف ۶ روپے محصول ڈاک بذریعہ منی آرڈر (کوپن پر صاف پتہ لازمی) ارسال فرما دیں جو حاصل کر چکے ہیں دوبارہ طلب نہ فرما دیں۔ تفسیر کی نشر و اشاعت کرنے والے علماء کیلئے ہے۔

محمد مسلم بن برکت اللہ دہلوی ٹھٹائی کمپاؤنڈ کراچی ۱